جناب شیخ عباس کرارہ
مترجم: مولانا سیف الرحمٰن

حرم شریف کی تاریخ

مسجد الحرام

مسجد الحرام سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد نفس کعبہ شریف ہے۔ ان کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے:

فول وجهك شطر المسجد الحرام۔ (البقرہ: ۱۴۹)

پس اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو۔

بعض علما نے اس سے کعبہ شریف اور اس کا اردگرد مراد لیا ہے۔ انھوں نے اپنے مدعا کے ثبوت میں قرآنِ کریم کی یہ آیت پیش کی ہے:

سبحٰن الذی اسری بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ

(بنی اسرائیل: ۱)

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

بعض ائمہ اور مفسرین نے اس سے تمام مکہ مکرمہ مراد لیا ہے۔ ان کی دلیل حسب ذیل ہے:

لتدخلن المسجد الحرام (الفتح: ۲۷)

تم مسجد الحرام میں ضرور داخل ہو گے۔

بعض اربابِ علم نے اس سے تمام حرم شریف مراد لیا ہے۔ جس میں شکار کرنا ممنوع ہے۔ ان کی دلیل مندرجہ ذیل آیت ہے:

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام (التوبہ: ۲۸)

مشرک ناپاک ہیں انھیں مسجد الحرام کے پاس جانے کی ہرگز اجازت نہیں۔

دوسری آیت: الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام (التوبہ: ۷)

مگر وہ لوگ جن سے تم نے مسجد الحرام کے پاس عہد کیا ہے۔

حالانکہ ان کا عہد حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا اور وہ حرم شریف میں شامل ہے۔
یہ تمام بحث علامہ ابن ظہیرہ کی کتاب "الجامع اللطیف" سے اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسجد الحرام سے مراد جس میں نماز کی افضلیت ثابت ہے، نفس مسجد ہے جو کعبہ شریف کو محیط ہے، وہ خواہ کتنی وسیع ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مساحت سے لے کر آج تک کی مساحت سب شامل ہے حتی کہ مستقبل میں مسجد کے صحن میں جو اضافہ ہوگا وہ بھی مسجد الحرام میں شامل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی۔ آپ نے فرمایا، مسجد الحرام۔ میں نے عرض کیا، پھر کونسی؟ آپ نے جواب دیا، مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا، ان کے درمیان کتنے سال کا فاصلہ تھا۔ آپ نے فرمایا چالیس سال کا۔

اس حدیث میں ایک اشکال ہے جسے قاضی القضاۃ شیخ الاسلام خطیب مسجد الحرام فخر الدین ابوبکر بن علی بن ظہیرہ شافعی نے اپنی کتاب : شفاء الغلیل فی حج بیت اللہ الجلیل میں بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی مسجد کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل۔ (البقرہ : ۱۲۷)

یعنی جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ شریف کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے۔

مسجد اقصیٰ کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت نسائی میں سند صحیح کے ساتھ مذکور ہے[۱]

---

[۱] حافظ ابن قیمؒ نے اس اشکال کو زاد المعاد جلد اول میں یوں حل کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی تجدید کی۔ اس کے مؤسس اول تو حضرت یعقوب ہیں۔ مزید تحقیق کے لیے مشکوٰۃ ج ۱ حدیث ہذا کا حاشیہ دیکھیے۔ نیز فتح الباری ۵ س کا مطالعہ کیجیے۔

مسجد حرام کے اوصاف

بڑا میدان، جمع کرنے والا گھر، اکٹھا کرنے والی مجلس اور اللہ کا حرم مکہ معظمہ میں صاف فضا میں موجود ہے۔ اس میں لوگوں کو کلام کرنے کی مجال نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنا گھر بہت زیادہ بہنے والی نہر کے آس پاس بنا دیتا جس میں مختلف قسم کے باغ ہوتے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ملک شام کے سبزہ زار میں اپنے گھر کا انتخاب کرتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو گزشتہ زمانے کے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے محلوں اور ان کے معبودوں کے سروں پر اپنے گھر کو بلند کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ (مکہ معظمہ) کی طرف دیکھا تو اسے اپنی بادشاہی کے سامنے مطیع اور اپنے غنا اور احسان کے سامنے محتاج پایا۔ اور اس کے نزدیک دعوتِ توحید بلند کرنے کا اصل مقام یہی تھا۔

بنا بریں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس وادی میں بیت اللہ کی بنیاد رکھیں اور اس کی گھاٹیوں میں اس کی توحید کا منار بنائیں۔ حضرت ابراہیم جسمانی ضعف اور بڑھاپے کے باوجود پوری قوت سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کی مدد کرنے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام معمار کا کام کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام مزدور کی حیثیت سے ان کو پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے، حتیٰ کہ ایسا مضبوط و مستحکم مکان تیار ہو گیا جس کی عظمت سب کے نزدیک مسلم ہے اور وہ اللہ کی توحید کا بنیادی مرکز ہے۔

اول بیت کی تفسیر

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وھدی للعالمین

آل عمران - آیت ۹۶) - کی مفسرین اور محدثین نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔

۱۔ یہ روئے زمین پر سب سے پہلا گھر ہے یعنی اس کے قبل کوئی مکان نہیں تھا۔

۲۔ یہ لوگوں کا قبلہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا سب سے پہلا مرکز ہے۔

۳۔ مکہ معظمہ کا سب سے پہلا گھر ہے جو معرضِ وجود میں آیا۔

اس آخری تفسیر پر اکثر اہل علم کا اتفاق ہے۔ ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مفسرین نے اس کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ: ان اول بیت وضع للناس

سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا پہلا گھر ہے جو برکت والا ہے اور تمام جہانوں کی ہدایت کا مرکز ہے۔ یہ گھر مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔ کیونکہ دنیا میں یہ سب سے پہلا گھر نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی مکانات موجود تھے۔ اس تفسیر کو حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خالد بن عروہ کا بیان ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور سوال کیا کہ بیت اللہ شریف روئے زمین پر سب سے پہلا گھر ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ وہ برکت کے لحاظ سے سب سے پہلا گھر ہے اور مقام ابراہیم بھی بابرکت ہے اور جو شخص اس میں داخل ہوگا اسے ہر طرح کا امن حاصل ہوگا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کعبۃ اللہ کی جگہ زمین پر سب سے پہلے تیار کی گئی۔ اس قول کو قتادہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ قتادہؒ نے کہا، ہمارے پاس یہ بات بیان کی گئی کہ بیت اللہ شریف حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر اتارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم میں تیرے ساتھ اپنا گھر اُتارتا ہوں۔ اس کے گرد لوگ طواف کریں گے تو حضرت آدم علیہ السلام نے اور اس پر ایمان لانے والوں نے اس کا طواف کیا۔ ابن جریرؒ نے آخر میں یہ فیصلہ کیا ہے؛

والصواب من الاقوال فی ذٰلک ان اول بیت وضع للناس ای لعبادۃ اللہ فیہ۔

تمام اقوال میں سے درست اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد سب سے پہلا گھر عبادت الٰہی کے لئے ہے۔

اس لئے معلوم ہوا کہ " ان اول بیت وضع للناس " سے مراد خانہ کعبہ ہے اور بے شک وہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے بنایا گیا اور اس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی۔

حدودِ حرم

اس کی حد مدینہ منورہ کی جانب سے مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام تنعیم ہے۔ بعض نے یہ فاصلہ چار میل بتایا ہے۔ ابو محمد بن ابی زید مالکی نے اپنی کتاب "النوادر" میں لکھا ہے کہ تنعیم کی انتہا تک چار میل کا فاصلہ ہے۔ یمن کے راستے پر مقام رمنا ۃ کے کنارے تک

چھ میل کا فاصلہ ہے۔ ابن ابی زید سات میل کا فاصلہ بیان کرتے ہیں۔ طائف کے راستے عرفہ کی طرف سے بطن نمرہ سے گیارہ میل ہے۔ اسی طرح ازرقیؒ کا بیان ہے کہ ابن ابی زید نے نو میل بتایا ہے۔ عراق کے راستے سے خل گھاٹی تک قطعی طور پر سات میل ہے۔ جعرانہ کے راستے شعب آلِ عبداللہ بن خالد بن اسید سے نو میل کے فاصلے پر ہے اور جانب جدہ سے اعشاش کی انتہا تک دس میل کا فاصلہ ہے اور اسی طرف سے حدیبیہ کی انتہا تک دس میل ہے۔

امام مالک "العتبیہ" میں لکھتے ہیں کہ حدیبیہ حرم میں شامل ہے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے حرم کی حدود پر پتھر نصب کیے۔ پھر عہد نبوی میں قریش نے انھیں اکھاڑ دیا۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ناگوار گزری۔ پھر حضرت جبریل تشریف لائے اور پوچھا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر یہ بات ناگوار گزری ہے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت جبریل نے خوشخبری دی کہ عنقریب ان پتھروں کو دوبارہ نصب کیا جائے گا۔ ایک روز ان میں سے کسی نے خواب میں دیکھا کہ اسے کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ اس حرم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں عزت بخشی تھی، تم نے اس کے پتھروں کو اکھاڑ دیا۔ اب تمھیں عرب اچک لے جائیں گے۔ صبح ہوئی تو ایک مجلس میں اس کا تذکرہ ہوا۔ بالآخر انھوں نے اکھاڑے ہوئے پتھروں کو دوبارہ حدودِ حرم پر نصب کر دیا۔ پھر حضرت جبریل آنحضرتؐ کے پاس تشریف لائے اور بتایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پتھروں کو دوبارہ نصب کر دیا گیا ہے۔

امام زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم کے پتھر رکھے۔ آپ کو ان کے نصب کرنے کی جگہ حضرت جبریل نے بتائی تھی۔ پھر قصی کے زمانہ تک ان میں کوئی رد و بدل نہیں ہوا۔ قصی نے نئے پتھر لگوائے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بدستور وہی قائم رہے۔ آپ نے فتح مکہ کے سال تمیم بن اسید خزاعی کو بھیجا۔ انھوں نے نئے پتھر نصب کیے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ تک وہی پتھر رہے۔ حضرت عمرؓ نے قریش میں سے چار آدمی ان پتھروں کی تجدید کے لیے بھیجے، جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مخرمہ بن نوفل۔ (۲) سعید بن یربوع۔ (۳) حویطب بن عزی۔ (۴) ازہر بن عبد عوف۔

پھر حضرت امیر معاویہ نے ان کی تجدید کی۔ بعد ازاں عبد الملک بن مروان نے نئے پتھر نصب کیے۔

مسجد الحرام کی پیمائش

اس مسجد کی تفصیلی پیمائش درج ذیل ہے:

	سنٹی میٹر	میٹر؎
مشرقی جانب کی دیوار سے جو باب النہر سے متصل ہے کنکروں کی جانب برآمدہ کے کنارے تک۔	۵۰	۱۷
برآمدہ کے کنارے سے کنکروں کی حد تک باب بنی شیبہ تک	۴۰	۶۳
مطاف کے صحن کا طول باب بنی شیبہ سے صحن کے کنارے تک جو مقام مالکی سے متصل ہے۔	۸۰	۴۸
مغربی جانب صحن کے کنارے سے جو مقامِ مالکی سے متصل ہے کنکروں تک	۴۵	۵۲
غربی برآمدہ کے کنارے سے کنکروں کی حد پر مسجد کی دیوار کے صدر تک جو غربی جانب میں مدرسہ شریف سے متصل ہے۔	۹	۱۴
مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک اس کا طول	۲۴	۱۹۶
دار الندوہ کے کنارے کی حد اور بابِ دریبہ سے باسبطہ تک اور باسبطہ سے کنکروں کے کنارے تک	۱۰	۱۵
حصوہ شمال کی جانب سے حدِ رواق اور صحن مطاف کے کنارے تک جو مقامِ حنفی سے متصل ہے	۶۵	۲۸
صحن کے کنارے سے جو مقامِ حنبلی سے متصل ہے جنوبی جانب کی حصوہ کی انتہا تک۔	۴۰	۳۱
حصوہ کی انتہا سے جنوبی جانب مسجد الحرام کی دیوار تک جو باب اجیاد والصغیر سے متصل ہے۔	۵	۲۰
اس کا عرض شمال سے جنوب تک۔	۷۰	۱۴۲

؎ میٹر عرب میں ناپنے کا آلہ ہے جو ہمارے گز سے کچھ بڑا ہے۔ تقریباً اٹھارہ گرہ کا ہے۔

مسجد کے صحن میں بچھے ہوئے کنکروں کی پیمائش

	میٹر	سنٹی میٹر
مشرق سے مغرب کی جانب	۱۶۴	۶۵
شمال سے جنوب کی جانب	۱۰۷	۵۰

دار الندوہ کی پیمائش :

مشرق سے مغرب کی جانب یعنی سلطان سلیمان خاں کے مدرسہ کی دیوار سے جواب محکمہ شرعیہ کا مرکز بن چکا ہے ۔ زاویہ کے قلب تک جو مدرسہ کی دیوار کے جنوبی جانب ہے ۔ ۳۶ —— ۱۰

شمال میں باب الزیادۃ کی پہلی سیڑھی سے دار الندوہ کی انتہا تک جو مسجد الحرام کی دیوار سے متصل ہے ۔ باب دریبہ سے باب باسطیہ تک ۔ ۳۷ —— ۱۰

باب ابراہیم کی پیمائش مع چبوترا ۔

مشرقی جانب سے غربی جانب تک مسجد حرام کی حد سے جو رباط الیمنین شرقیہ سے متصل ہے ۔ ابی نمی کے مدرسہ کی دیوار تک جو باب غربا تک پہنچتی ہے ۔ ۲۴ —— ۶۵

شمالی جانب سے رباط الیمنین کی دیوار مدرسہ ابی نمی دیوار تک ۲۹ —— ۰۰

چاہ زمزم کی پیمائش :

مشرق سے مغرب کی جانب ۸ —— ۳۰

شمال سے جنوب کی طرف ۵ —— ۶۰

مقام حنبلی کی پیمائش :[۳]

مشرق سے مغرب کی جانب ۸ —— ۴۰

شمال سے جنوب کی جانب ۵ —— ۶۰

مقام مالکی کی پیمائش :

مشرق سے مغرب کی جانب ۳ —— ۹۰

شمال سے جنوب کی جانب ۳ —— ۹۰

مقام حنفی کی پیمائش :

مشرق سے مغرب کی جانب ۳ —— ۹۰

شمال سے جنوب کی جانب ۵ —— ۶۰

یہ سب پیمائش مسجد حرام کی جو میٹر سے طول اور عرض میں اور مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک کی گئی ہیں[۳]

---

[۳] مذکورہ مصلے سلطان ابن سعود کے عہد سے پہلے تھے اب باقی نہیں ہے ۔

مولانا محمد حنیف ندوی

ایک آیت

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ (البقرہ : ۲۵۸)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی اور اس لیے حجت کی تھی کہ خدا نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی۔ (یعنی تاج و تختِ شاہی نے اس کے اندر ایسا گھمنڈ پیدا کر دیا تھا کہ خدا کے بارے میں حجت کرنے لگا) جب ابراہیم نے کہا، میرا پروردگار تو وہ ہے جو (مخلوقات کو) جلاتا ہے اور مارتا ہے، تو اس نے جواب میں کہا جِلانے اور مارنے والا تو میں ہوں (جسے چاہوں ہلاک کر دوں جسے چاہوں بخش دوں) اس پر ابراہیمؑ نے کہا، اچھا، اگر ایسا ہی ہے تو اللہ سورج کو پورب کی طرف سے (زمین پر) طلوع کرتا ہے تو تم پچھم سے نکال کر دکھاؤ (تاکہ معلوم ہو جائے تمھیں کائناتِ خلقت میں طاقت و تصرف حاصل ہے) یہ جواب سن کر وہ بادشاہ جس نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا، ہکا بکا رہ گیا (اور ابراہیم کے خلاف کچھ نہ کر سکا) اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں پر (کامیابی و فلاح کی) راہ نہیں کھولتا۔

اس آیت میں اس شخص کا نام مذکور نہیں، جس سے حضرت ابراہیمؑ نے بحث کی، اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کے معاصر کی حیثیت سے اس کا نام جانا بوجھا اور معروف ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ مقام چونکہ مستبد اور ظالم بادشاہ کی کج روی، گمراہی اور پندار و غرور پر زجر و تشنیع کے اظہار کا ہے، اس لیے زیادہ مناسب یہی تھا کہ اس کا نام لیے بغیر اس کے کردار کو منظرِ عام پر لایا جائے۔

حضرت ابراہیمؑ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، اس میں نہ صرف بُت پرستی اور شرک کا